[](https://rekhta.org/poets/allama-iqbal/?lang=ur)

**علامہ اقبال**

* 1877-1938
* لاھور

عظیم اردو شاعر اور 'سارے جہاں سے اچھا...' و 'لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری' جیسے شہرہ آفاق ترانے کے خالق

# ابلیس کی مجلس شوریٰ

ابلیس

یہ عناصر کا پرانا کھیل یہ دنیائے دوں

ساکنان عرش اعظم کی تمناؤں کا خوں

اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز

جس نے اس کا نام رکھا تھا جہان کاف و نوں

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب

میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا

میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد

جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوز دروں

جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند

کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سرنگوں

پہلا مشیر

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام

پختہ تر اس سے ہوئے کھوئی غلامی میں عوام

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود

ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام

آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں

ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

یہ ہماری سعئ پیہم کی کرامت ہے کہ آج

صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی

ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علم کلام

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا

کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

کس کی نو میدی پہ حجت ہے یہ فرمان جدید

ہے جہاد اس دور میں مرد مسلماں پر حرام

دوسرا مشیر

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر

تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے با خبر

پہلا مشیر

ہوں مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے

جو ملوکیت کا اک پردہ ہو کیا اس سے خطر

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس

جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

کاروبار شہر یاری کی حقیقت اور ہے

یہ وجود میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر

مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو

ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

تیسرا مشیر

روح سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب

ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب

وہ کلیم بے تجلی وہ مسیح بے صلیب

نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پردہ سوز

مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روز حساب

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد

توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

چوتھا مشیر

توڑ اس کا رومتہ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ

آل سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب

کون بحر روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا

گاہ بالد چوں صنوبر گاہ نالد چوں رباب

تیسرا مشیر

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں

جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے

اے ترے سوز نفس سے کار عالم استوار

تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

آب و گل تیری حرارت سے جہان سوز و ساز

ابلہ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

تجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محرم نہیں

سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار

کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف

تیری غیرت سے ابد تک سر نگوں و شرمسار

گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام

اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار

وہ یہودی فتنہ گر وہ روح مزدک کا بروز

ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار

زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ

کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار

چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعت افلاک پر

جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشت غبار

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج

کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار

میرے آقا وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے

جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

# ابو العلا معری

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری

پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات

اک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا

شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات

یہ خوان تر و تازہ معری نے جو دیکھا

کہنے لگا وہ صاحب غفران و لزومات

اے مرغک بیچارہ ذرا یہ تو بتا تو

تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو

دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات!

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!

# التجائے مسافر

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا

بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم

نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی

بڑی ہے شان بڑا احترام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام

دگر کشادہ جبینم گل بہار توام

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثل نکہت گل

ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے

شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں

کیا خدا نے نہ محتاج باغباں مجھ کو

فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں

تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو

مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے

کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو

مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے

کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر

تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو

بنایا تھا جسے چن چن کے خار و خس میں نے

چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو

پھر آ رکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں

کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو

وہ شمع بارگہہ خاندان مرتضوی

رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی

بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

دعا یہ کر کہ خداوند آسمان و زمیں

کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

وہ میرا یوسف ثانی وہ شمع محفل عشق

ہوئی ہے جس کی اخوت قرار جاں مجھ کو

جلا کے جس کی محبت نے دفتر من و تو

ہوائے عیش میں پالا کیا جواں مجھ کو

ریاض دہر میں مانند گل رہے خنداں

کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جان جاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے

یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

# ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب

کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا

ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری

دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دن گزاروں

دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں

چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا

ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزے کا ہو بچھونا

شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل

ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں

ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کوہسار کا نظارہ

پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ

پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی

جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو

سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم

امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے

جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن

میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں

روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے

رونا مرا وضو ہو نالہ مری دعا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے

تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے

بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

# ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں

کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں

نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم و عرفاں ہے

امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر

تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

# ترانۂ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو

تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو

اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم

ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اقبالؔ کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

# ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں

سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہم سایہ آسماں کا

وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں

گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو

اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے

اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری

صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

اقبالؔ کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں

معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

# تصویر درد

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں

یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اڑا لی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے

چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے

سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

الٰہی پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا

حیات جاوداں میری نہ مرگ ناگہاں میری

مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا

وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

دریں حسرت سرا عمریست افسون جرس دارم

ز فیض دل طپیدن ہا خروش بے نفس دارم

ریاض دہر میں نا آشنائے بزم عشرت ہوں

خوشی روتی ہے جس کو میں وہ محروم مسرت ہوں

مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روتی ہے گویائی

میں حرف زیر لب شرمندۂ گوش سماعت ہوں

پریشاں ہوں میں مشت خاک لیکن کچھ نہیں کھلتا

سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گرد کدورت ہوں

یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا

سراپا نور ہو جس کی حقیقت میں وہ ظلمت ہوں

خزینہ ہوں چھپایا مجھ کو مشت خاک صحرا نے

کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں

نظر میری نہیں ممنون سیر عرصۂ ہستی

میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں

نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ

میں اس مے خانۂ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں

مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے

وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں

کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں

اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ ساماں کا

مرا آئینۂ دل ہے قضا کے راز دانوں میں

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو

کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا

لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں

نشان برگ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں

تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے

عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

سن اے غافل صدا میری یہ ایسی چیز ہے جس کو

وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے

دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر

زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے

جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا

لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے

تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پیدا

چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو

جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

مجھے اے ہم نشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں

کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا

دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے

تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے

زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے

گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے

رہا دل بستۂ محفل مگر اپنی نگاہوں کو

کیا بیرون محفل سے نہ حیرت آشنا تو نے

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر

مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے

تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں

یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے

سراپا نالۂ بیدار سوز زندگی ہو جا

سپند آسا گرہ میں باندھ رکھی ہے صدا تو نے

صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے

کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں حنا تو نے

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے

غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل

بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا

ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے

ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگیں بیانی کی

نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خوانی کی

دکھا وہ حسن عالم سوز اپنی چشم پر نم کو

جو تڑپاتا ہے پروانے کو رلواتا ہے شبنم کو

ذرا نظارہ ہی اے بو الہوس مقصد نہیں اس کا

بنایا ہے کسی نے کچھ سمجھ کر چشم آدم کو

اگر دیکھا بھی اس نے سارے عالم کو تو کیا دیکھا

نظر آئی نہ کچھ اپنی حقیقت جام سے جم کو

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا

یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

نہ اٹھا جذبۂ خورشید سے اک برگ گل تک بھی

یہ رفعت کی تمنا ہے کہ لے اڑتی ہے شبنم کو

پھرا کرتے نہیں مجروح الفت فکر درماں میں

یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے

ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دوا ہر دکھ کی ہے مجروح تیغ آرزو رہنا

علاج زخم ہے آزاد احسان رفو رہنا

شراب بے خودی سے تا فلک پرواز ہے میری

شکست رنگ سے سیکھا ہے میں نے بن کے بو رہنا

تھمے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں

عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم با وضو رہنا

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا

چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں

غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تو رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو

تجھے بھی چاہیئے مثل حباب آبجو رہنا

نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری

اگر منظور ہے دنیا میں او بیگانہ خو رہنا

شراب روح پرور ہے محبت نوع انساں کی

سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے

یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے

محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی

جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی راہزن بھی ہے

مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا

چھپا جس میں علاج گردش چرخ کہن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا

یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمع انجمن بھی ہے

وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں

یہ شیریں بھی ہے گویا بے ستوں بھی کوہ کن بھی ہے

اجاڑا ہے تمیز ملت و آئیں نے قوموں کو

مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے

سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ

زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے

نمیگردید کو تہ رشتۂ معنی رہا کردم

حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

# جاوید کے نام

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر

نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو

سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر

اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احساں

سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر

میں شاخ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر

مرے ثمر سے مے لالہ فام پیدا کر

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

# جبریل و ابلیس

جبرئیل

ہمدم دیرینہ کیسا ہے جہان رنگ و بو

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو

جبرئیل

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو

کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاک دامن ہو رفو

ابلیس

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے

کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو

اب یہاں میری گزر ممکن نہیں ممکن نہیں

کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو

جس کی نومیدی سے ہو سوز درون کائنات

اس کے حق میں تقنطو اچھا ہے یا لاتقنطوا

جبرئیل

کھو دیئے انکار سے تو نے مقامات بلند

چشم یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا آبرو

ابلیس

ہے مری جرأت سے مشت خاک میں ذوق نمو

میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر

کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے میں کہ تو

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا

میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے

قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو

میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح

تو فقط اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

# جواب شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے

خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا

آسماں چیر گیا نالۂ بیباک مرا

پیر گردوں نے کہا سن کے کہیں ہے کوئی

بولے سیارے سر عرش بریں ہے کوئی

چاند کہتا تھا نہیں اہل زمیں ہے کوئی

کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا

مجھ کو جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا

عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا

تا سر عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا

آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا

غافل آداب سے سکان زمیں کیسے ہیں

شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے

تھا جو مسجود ملائک یہ وہی آدم ہے

عالم کیف ہے دانائے رموز کم ہے

ہاں مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے

ناز ہے طاقت گفتار پہ انسانوں کو

بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا

اشک بیتاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا

آسماں گیر ہوا نعرۂ مستانہ ترا

کس قدر شوخ زباں ہے دل دیوانہ ترا

شکر شکوے کو کیا حسن ادا سے تو نے

ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں

جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں

امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں

تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں

بادہ آشام نئے بادہ نیا خم بھی نئے

حرم کعبہ نیا بت بھی نئے تم بھی نئے

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا

نازش موسم گل لالۂ صحرائی تھا

جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا

کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو

ملت احمد مرسل کو مقامی کر لو

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے

ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے

تمہیں کہہ دو یہی آئین وفاداری ہے

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو

نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو

بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو

بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے

کیا نہ بیچوگے جو مل جائیں صنم پتھر کے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے

نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے

میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے

میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو

ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

کیا کہا بہر مسلماں ہے فقط وعدۂ حور

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور

مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں

جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک

کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

کون ہے تارک آئین رسول مختار

مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار

ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بے زار

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب

زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب

نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب

پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے

زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی

برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود

ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دم تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک

عدل اس کا تھا قوی لوث مراعات سے پاک

شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نمناک

تھا شجاعت میں وہ اک ہستی فوق الادراک

خود گدازی نم کیفیت صہبایش بود

خالی از خویش شدن صورت مینا یش بود

ہر مسلماں رگ باطل کے لیے نشتر تھا

اس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا

جو بھروسا تھا اسے قوت بازو پر تھا

ہے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو

پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے

تم مسلماں ہو یہ انداز مسلمانی ہے

حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں رحیم

تم خطا کار و خطا بیں وہ خطا پوش و کریم

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم

پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

تخت فغفور بھی ان کا تھا سریر کے بھی

یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی

خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خوددار

تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار

تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار

تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بکنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی

نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

مثل انجم افق قوم پہ روشن بھی ہوئے

بت ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے

شوق پرواز میں مہجور نشیمن بھی ہوئے

بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے

ان کو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا

لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

قیس زحمت کش تنہائی صحرا نہ رہے

شہر کی کھائے ہوا بادیہ پیما نہ رہے

وہ تو دیوانہ ہے بستی میں رہے یا نہ رہے

یہ ضروری ہے حجاب رخ لیلا نہ رہے

گلۂ جور نہ ہو شکوۂ بیداد نہ ہو

عشق آزاد ہے کیوں حسن بھی آزاد نہ ہو

عہد نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے

ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے

اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے

ملت ختم رسل شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی

کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی

خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی

گل بر انداز ہے خون شہدا کی لالی

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے

یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

امتیں گلشن ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں

اور محروم ثمر بھی ہیں خزاں دیدہ بھی ہیں

سیکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی بالیدہ بھی ہیں

سیکڑوں بطن چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخل اسلام نمونہ ہے برومندی کا

پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

پاک ہے گرد وطن سے سر داماں تیرا

تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا

غیر یک بانگ درا کچھ نہیں ساماں تیرا

نخل شمع استی و در شعلہ دو ریشۂ تو

عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے

نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتئ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے

عصر نو رات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورش بلغاری کا

غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا

تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا

امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہے صہیل فرس اعدا سے

نور حق بجھ نہ سکے گا نفس اعدا سے

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری

ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری

کوکب قسمت امکاں ہے خلافت تیری

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے

نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مثل بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا

رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا

ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا

نغمۂ موج ہے ہنگامۂ طوفاں ہو جا

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو

چمن ہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو

بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں دامن کہسار میں میدان میں ہے

بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے

چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے

اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا

وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا

گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا

عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح

غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری

مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

ما سوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری

تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

# حضرت انساں

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی

کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا

نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی

یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو

کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوق عریانی

یہی فرزند آدم ہے کہ جس کے اشک خونیں سے

کیا ہے حضرت یزداں نے دریاؤں کو طوفانی

فلک کو کیا خبر یہ خاکداں کس کا نشیمن ہے

غرض انجم سے ہے کس کے شبستاں کی نگہبانی

اگر مقصود کل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے

مرے ہنگامہ ہائے نو بنو کی انتہا کیا ہے

# ذوق و شوق

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں

چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں!

حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پردۂ وجود

دل کے لیے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں!

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب!

کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں!

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے

ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر

کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی

اہل فراق کے لیے عیش دوام ہے یہی

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات

کہنہ ہے بزم کائنات تازہ ہیں میرے واردات!

کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں

بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات!

ذکر عرب کے سوز میں، فکر عجم کے ساز میں

نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں

گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات!

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق!

معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!

آیۂ کائنات کا معنئ دیر یاب تو!

نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو!

جلوتیان مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق

جلوتیان میکدہ کم طلب و تہی کدو!

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!

باد صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس!

میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو!

خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش

ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو!

فرصت کشمکش میں ایں دل بے قرار را

یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب!

گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ

ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب!

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود!

فقر جنیدؔ و بایزیدؔ تیرا جمال بے نقاب!

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب !میرا سجود بھی حجاب!

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب!

تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے!

طبع زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے!

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب

مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم تخیل بے رطب!

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا!

عشق تمام مصطفی! عقل تمام بو لہب!

گاہ بحیلہ می برد، گاہ بزور می کشد

عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب!

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق

وصل میں مرگ آرزو! ہجر میں لذت طلب!

عین وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا

گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہ بے ادب!

گرمئ آرزو فراق! شورش ہائے و ہو فراق!

موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق!

# رام

لبریز ہے شراب حقیقت سے جام ہند

سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رام ہند

یہ ہندیوں کی فکر فلک رس کا ہے اثر

رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بام ہند

اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت

مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نام ہند

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز

اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند

اعجاز اس چراغ ہدایت کا ہے یہی

روشن تر از سحر ہے زمانہ میں شام ہند

تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا

پاکیزگی میں جوش محبت میں فرد تھا

# روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ!

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

اس جلوۂ بے پردہ کو پردہ میں چھپا دیکھ!

ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ!

بیتاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ!

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں

یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں

یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں

تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ!

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے!

دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے!

ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے

پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے

تعمیر خودی کر اثر آہ رسا دیکھ

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں

آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں

جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں

اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ!

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے

تو جنس محبت کا خریدار ازل سے

تو پیر صنم خانۂ اسرار ازل سے

محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے

ہے راکب تقدیر جہاں تیری رضا دیکھ!

# زہد اور رندی

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی

تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی

شہرہ تھا بہت آپ کی صوفی منشی کا

کرتے تھے ادب ان کا اعالی و ادانی

کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوف میں شریعت

جس طرح کہ الفاظ میں مضمر ہوں معانی

لبریز مئ زہد سے تھی دل کی صراحی

تھی تہہ میں کہیں درد خیال ہمہ دانی

کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی

منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی

مدت سے رہا کرتے تھے ہمسائے میں میرے

تھی رند سے زاہد کی ملاقات پرانی

حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا

اقبالؔ کہ ہے قمرئ شمشاد معانی

پابندئ احکام شریعت میں ہے کیسا

گو شعر میں ہے رشک کلیم ہمدانی

سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا

ہے ایسا عقیدہ اثر فلسفہ دانی

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا

تفضیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی

سمجھا ہے کہ ہے راگ عبادات میں داخل

مقصود ہے مذہب کی مگر خاک اڑانی

کچھ عار اسے حسن فروشوں سے نہیں ہے

عادت یہ ہمارے شعرا کی ہے پرانی

گانا جو ہے شب کو تو سحر کو ہے تلاوت

اس رمز کے اب تک نہ کھلے ہم پہ معانی

لیکن یہ سنا اپنے مریدوں سے ہے میں نے

بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی

مجموعۂ اضداد ہے اقبالؔ نہیں ہے

دل دفتر حکمت ہے طبیعت خفقانی

رندی سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف

پوچھو جو تصوف کی تو منصور کا ثانی

اس شخص کی ہم پر تو حقیقت نہیں کھلتی

ہوگا یہ کسی اور ہی اسلام کا بانی

القصہ بہت طول دیا وعظ کو اپنے

تا دیر رہی آپ کی یہ نغز بیانی

اس شہر میں جو بات ہو اڑ جاتی ہے سب میں

میں نے بھی سنی اپنے احبا کی زبانی

اک دن جو سر راہ ملے حضرت زاہد

پھر چھڑ گئی باتوں میں وہی بات پرانی

فرمایا شکایت وہ محبت کے سبب تھی

تھا فرض مرا راہ شریعت کی دکھانی

میں نے یہ کہا کوئی گلہ مجھ کو نہیں ہے

یہ آپ کا حق تھا ز رہ قرب مکانی

خم ہے سر تسلیم مرا آپ کے آگے

پیری ہے تواضع کے سبب میری جوانی

گر آپ کو معلوم نہیں میری حقیقت

پیدا نہیں کچھ اس سے قصور ہمہ دانی

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا

گہرا ہے مرے بحر خیالات کا پانی

مجھ کو بھی تمنا ہے کہ اقبالؔ کو دیکھوں

کی اس کی جدائی میں بہت اشک فشانی

اقبالؔ بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے

کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

# ساقی نامہ

ہوا خیمہ زن کاروان بہار

ارم بن گیا دامن کوہسار

گل و نرگس و سوسن و نسترن

شہید ازل لالہ خونیں کفن

جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں

لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں

فضا نیلی نیلی ہوا میں سرور

ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی

اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی

اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی

بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ

پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام

سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز

کہ آتی نہیں فصل گل روز روز

وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات

وہ مے جس سے ہے مستی کائنات

وہ مے جس میں ہے سوز و ساز ازل

وہ مے جس سے کھلتا ہے راز ازل

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے

لڑا دے ممولے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے

نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش راز فرنگ

کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ

پرانی سیاست گری خوار ہے

زمیں میر و سلطاں سے بے زار ہے

گیا دور سرمایہ داری گیا

تماشا دکھا کر مداری گیا

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے

ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

دل طور سینا و فاران دو نیم

تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش

مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش

تمدن تصوف شریعت کلام

بتان عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب

مگر لذت شوق سے بے نصیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا

لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد

محبت میں یکتا حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا

یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کہن پھر پلا ساقیا

وہی جام گردش میں لا ساقیا

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا

مری خاک جگنو بنا کر اڑا

خرد کو غلامی سے آزاد کر

جوانوں کو پیروں کا استاد کر

ہری شاخ ملت ترے نم سے ہے

نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے

دل مرتضی سوز صدیق دے

جگر سے وہی تیر پھر پار کر

تمنا کو سینوں میں بیدار کر

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر

زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوز جگر بخش دے

مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ گرداب سے پار کر

یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر

بتا مجھ کو اسرار مرگ و حیات

کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں

مرے دل کی پوشیدہ بیتابیاں

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز

مری خلوت و انجمن کا گداز

امنگیں مری آرزوئیں مری

امیدیں مری جستجوئیں مری

مری فطرت آئینۂ روزگار

غزالان افکار کا مرغزار

مرا دل مری رزم گاہ حیات

گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے

لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

دما دم رواں ہے یم زندگی

ہر اک شے سے پیدا رم زندگی

اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود

کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج دود

گراں گرچہ ہے صحبت آب و گل

خوش آئی اسے محنت آب و گل

یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی

عناصر کے پھندوں سے بے زار بھی

یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر

مگر ہر کہیں بے چگوں بے نظیر

یہ عالم یہ بت خانۂ شش جہات

اسی نے تراشا ہے یہ سومنات

پسند اس کو تکرار کی خو نہیں

کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمن آفریں

مگر عین محفل میں خلوت نشیں

چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے

یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے

اسی کے بیاباں اسی کے ببول

اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول

کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور

کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور

کہیں جزہ ہے شاہین سیماب رنگ

لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

کبوتر کہیں آشیانے سے دور

پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور

فریب نظر ہے سکون و ثبات

تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود

کہ ہر لحظ ہے تازہ شان وجود

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی

فقط ذوق پرواز ہے زندگی

بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند

سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند

سفر زندگی کے لیے برگ و ساز

سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے

تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے

ہوا جب اسے سامنا موت کا

کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا

اتر کر جہان مکافات میں

رہی زندگی موت کی گھات میں

مذاق دوئی سے بنی زوج زوج

اٹھی دشت و کوہسار سے فوج فوج

گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے

اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے

سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات

ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات

بڑی تیز جولاں بڑی زود رس

ازل سے ابد تک رم یک نفس

زمانہ کہ زنجیر ایام ہے

دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موج نفس کیا ہے تلوار ہے

خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے

خودی کیا ہے راز درون حیات

خودی کیا ہے بیداری کائنات

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند

سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

اندھیرے اجالے میں ہے تابناک

من و تو میں پیدا من و تو سے پاک

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے

نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی

ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی

تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی

دما دم نگاہیں بدلتی ہوئی

سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں

پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں

سفر اس کا انجام و آغاز ہے

یہی اس کی تقویم کا راز ہے

کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں

یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے

نشیب و فراز و پس و پیش سے

ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر

ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے

فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب

وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند

رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

خودی فال محمود سے درگزر

خودی پر نگہ رکھ ایازی نہ کر

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام

کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

یہ عالم یہ ہنگامۂ رنگ و صوت

یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت

یہ عالم یہ بتخانۂ چشم و گوش

جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش

خودی کی یہ ہے منزل اولیں

مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

تری آگ اس خاک داں سے نہیں

جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر

طلسم زمان و مکاں توڑ کر

خودی شیر مولا جہاں اس کا صید

زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود

کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود

ہر اک منتظر تیری یلغار کا

تری شوخئی فکر و کردار کا

یہ ہے مقصد گردش روزگار

کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

تو ہے فاتح عالم خوب و زشت

تجھے کیا بتاؤں تری سر نوشت

حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ

حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ

فروزاں ہے سینے میں شمع نفس

مگر تاب گفتار رکھتی ہے بس

اگر یک سر موئے برتر پرم

فروغ تجلی بسوزد پرم

# سرگزشت آدم

سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے

بھلایا قصۂ پیمان اولیں میں نے

لگی نہ میری طبیعت ریاض جنت میں

پیا شعور کا جب جام آتشیں میں نے

رہی حقیقت عالم کی جستجو مجھ کو

دکھایا اوج خیال فلک نشیں میں نے

ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا

کیا قرار نہ زیر فلک کہیں میں نے

نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی

کبھی بتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے

کبھی میں ذوق تکلم میں طور پر پہنچا

چھپایا نور ازل زیر آستیں میں نے

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا

کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے

کبھی میں غار حرا میں چھپا رہا برسوں

دیا جہاں کو کبھی جام آخریں میں نے

سنایا ہند میں آ کر سرود ربانی

پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے

دیار ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی

بسایا خطۂ جاپان و ملک چیں میں نے

بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم

خلاف معنی تعلیم اہل دیں میں نے

لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو

جہاں میں چھیڑ کے پیکار عقل و دیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی

اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں

سکھایا مسئلہ گردش زمیں میں نے

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر

لگا کے آئینہ عقل دوربیں میں نے

کیا اسیر شعاعوں کو برق مضطر کو

بنا دی غیرت جنت یہ سرزمیں میں نے

مگر خبر نہ ملی آہ راز ہستی کی

کیا خرد سے جہاں کو تہ نگیں میں نے

ہوئی جو چشم مظاہر پرست وا آخر

تو پایا خانۂ دل میں اسے مکیں میں نے

# شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں

فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں

نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں

ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تاب سخن ہے مجھ کو

شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم

قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

ساز خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم

نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا شکوۂ ارباب وفا بھی سن لے

خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذات قدیم

پھول تھا زیب چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم

شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عمیم

بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم

ہم کو جمعیت خاطر یہ پریشانی تھی

ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر

کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر

مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا

قوت بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی

اہل چیں چین میں ایران میں ساسانی بھی

اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی

اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے

بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں

خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں

کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی

کلمہ پڑھتے تھے ہمیں چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لیے

اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لیے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لیے

سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لیے

قوم اپنی جو زرو و مال جہاں پر مرتی

بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے

پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے

تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا در خبیر کس نے

شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے

توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے

کاٹ کر رکھ دئیے کفار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو

کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی

اور تیرے لیے زحمت کش پیکار ہوئی

کس کی شمشیر جہانگیر جہاں دار ہوئی

کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے

منہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز

قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی ہوئی قوم حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے

مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے

کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے

اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دئیے گھوڑے ہم نے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے

نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے

تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

ہم وفادار نہیں تو بھی تو دل دار نہیں

امتیں اور بھی ہیں ان میں گنہ گار بھی ہیں

عجز والے بھی ہیں مست مئے پندار بھی ہیں

ان میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں

سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بے زار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے

ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہبان گئے

منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے

اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے معمور

نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور

اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں

بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں

کیوں مسلمانوں میں ہے دولت دنیا نایاب

تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب

تو جو چاہے تو اٹھے سینۂ صحرا سے حباب

رہرو دشت ہو سیلی زدۂ موج سراب

طعن اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے

کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا

رہ گئی اپنے لیے ایک خیالی دنیا

ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا

پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے

کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے

شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے

آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

درد لیلیٰ بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی

نجد کے دشت و جبل میں رم آہو بھی وہی

عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی

امت احمد مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگی غیر سبب کیا معنی

اپنے شیداؤں پہ یہ چشم غضب کیا معنی

تجھ کو چھوڑا کہ رسول عربی کو چھوڑا

بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا

عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا

رسم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں

زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی

جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی

مضطرب دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی

اور پابندی آئین وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے

بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سر فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے

اک اشارے میں ہزاروں کے لیے دل تو نے

آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے

پھونک دی گرمی رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں

ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں

وادی نجد میں وہ شور سلاسل نہ رہا

قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا

گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونق محفل نہ رہا

اے خوشا آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی

بے حجابانہ سوئے محفل ما باز آئی

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لب جو بیٹھے

سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کو کو بیٹھے

دور ہنگامۂ گلزار سے یکسو بیٹھے

تیرے دیوانے بھی ہیں منتظر ہو بیٹھے

اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے

برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز

لے اڑا بلبل بے پر کو مذاق پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے

مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے

مور بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے

جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے

ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینۂ ما

می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

بوئے گل لے گئی بیرون چمن راز چمن

کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غماز چمن

عہد گل ختم ہوا ٹوٹ گیا ساز چمن

اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پرداز چمن

ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک

اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں

پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں

وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں

ڈالیاں پیرہن برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قید موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی

کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزہ جینے میں

کچھ مزہ ہے تو یہی خون جگر پینے میں

کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں

کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں

داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبل تنہا کی نوا سے دل ہوں

جاگنے والے اسی بانگ درا سے دل ہوں

یعنی پھر زندہ نئے عہد وفا سے دل ہوں

پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری

نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

# طارق کی دعا

(اندلس کے میدان جنگ میں)

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے

جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا

سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذت آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے

قبا چاہیئے اس کو خون عرب سے

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا

خبر میں نظر میں اذان سحر میں

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو

وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں

کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو

ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

دل مرد مومن میں پھر زندہ کر دے

وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لا تذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے

نگاہ مسلماں کو تلوار کر دے

# عورت

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی

کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن

اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

# فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی!

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن

تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی!

جمال اپنا اگر خواب میں بھی تو دیکھے

ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خوابی

گراں بہا ہے ترا گریۂ سحر گاہی

اسی سے ہے ترے نخل کہن کی شادابی!

تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر

کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی!

# فرمان خدا

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے

کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ

جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی

اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے

پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

حق را بسجودے صنماں را بطوافے

بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو

میں ناخوش و بے زار ہوں مرمر کی سلوں سے

میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

تہذیب نوی کار گہہ شیشہ گراں ہے

آداب جنوں شاعر مشرق کو سکھا دو

# فنون لطیفہ

ن

جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے

یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا!

جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا

اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا!

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو

جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا!

بے معجزہ دنیا میں ابھرتیں نہیں قومیں

جو ضرب کلیمیؑ نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!

# لینن

خدا کے حضور میں

اے انفس و آفاق میں پیدا تری آیات

حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پایندہ تری ذات

میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے

ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات

محرم نہیں فطرت کے سرود ازلی سے

بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت

میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

ہم بند شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے

تو خالق اعصار و نگارندۂ آنات

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں

حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات

جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے

کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا

جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود

وہ آدم خاکی کہ جو ہے زیر سماوات

مشرق کے خداوند سفیدان فرنگی

مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات

یورپ میں بہت روشنئ علم و ہنر ہے

حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائی تعمیر میں رونق میں صفا میں

گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس

کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم

حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر

تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

مے خانہ نے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل

بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیران خرابات

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام

یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ

دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

# مسجد قرطبہ

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات

سلسلۂ روز و شب اصل حیات و ممات

سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ

جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلۂ روز و شب ساز ازل کی فغاں

جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ

سلسلۂ روز و شب صیرفی کائنات

تو ہو اگر کم عیار میں ہوں اگر کم عیار

موت ہے تیری برات موت ہے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا

ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر

کار جہاں بے ثبات کار جہاں بے ثبات

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا

نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام

جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو

عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا

اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفی

عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک

عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام

عشق فقیہہ حرام عشق امیر جنود

عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات

عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود

عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت

معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

قطرۂ خون جگر سل کو بناتا ہے دل

خون جگر سے صدا سوز و سرور و سرود

تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز

تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود

عرش معلی سے کم سینۂ آدم نہیں

گرچہ کف خاک کی حد ہے سپہر کبود

پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا

اس کو میسر نہیں سوز و گداز سجود

کافر ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق

دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے

نغمۂ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل

وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

تیری بنا پائیدار تیرے ستوں بے شمار

شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل

تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور

تیرا منار بلند جلوہ گہ جبرئیل

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے

اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

اس کی زمیں بے حدود اس کا افق بے ثغور

اس کے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل

اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب

عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل

ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق

بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ

سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز

اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم

اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

غالب و کار آفریں کار کشا کارساز

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات

ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال

اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے

رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں

آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے

عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں

دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دیں

جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں

حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت

اور ہوئی فکر کی کشتئ نازک رواں

چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب

جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں

ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر

لذت تجدیدہ سے وہ بھی ہوئی پھر جواں

روح مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب

راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو

رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقیں

اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ

حلقۂ آفاق میں گرمئ محفل ہے وہ

کعبۂ ارباب فن سطوت دین مبیں

تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

ہے تہ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر

قلب مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں

آہ وہ مردان حق وہ عربی شہسوار

حامل خلق عظیم صاحب صدق و یقیں

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب

سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب

ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں

جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی

خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں

دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا

گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

وادی کہسار میں غرق شفق ہے سحاب

لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

سادہ و پرسوز ہے دختر دہقاں کا گیت

کشتئ دل کے لیے سیل ہے عہد شباب

آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی

دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں

میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے

لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی

روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر

نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

# اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا

مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لا مکاں خالی

خطا کس کی ہے یا رب لا مکاں تیرا ہے یا میرا

اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر

مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

محمد بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا

مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن

زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

# اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا

مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لا مکاں خالی

خطا کس کی ہے یا رب لا مکاں تیرا ہے یا میرا

اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر

مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

محمد بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا

مگر یہ حرف شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن

زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

# سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا

غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں

یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے

کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی

کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں

زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی

تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مے خانے

یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی

وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر و کسریٰ

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے

گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی

یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے

' گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مے لا سے

مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ الا

دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے

بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی

نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

غلامی کیا ہے ذوق حسن و زیبائی سے محرومی

جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر

کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے

زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی

مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیٔ خارا

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک

مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے

جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری

محبت آستان قیصر و کسریٰ سے بے پروا

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں

کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے

غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طہٰ

سنائیؔ کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ

ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

# مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا

مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا

تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی

کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغ بے نیام آیا

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر

یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا

چل اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے

وہ محفل اٹھ گئی جس دم تو مجھ تک دور جام آیا

دیا اقبالؔ نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا

یہ اک مرد تن آساں تھا تن آسانوں کے کام آیا

اسی اقبالؔ کی میں جستجو کرتا رہا برسوں

بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیر دام آیا

# مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا

مروت حسن عالم گیر ہے مردان غازی کا

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

بہت مدت کے نخچیروں کا انداز نگہ بدلا

کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہبازی کا

قلندر جز دو حرف لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا

فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

حدیث بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو

نہ کر خاراشگافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا

کہاں سے تو نے اے اقبالؔ سیکھی ہے یہ درویشی

کہ چرچا پادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

# شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب

مقام شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا

مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

اگرچہ میرے نشیمن کا کر رہا ہے طواف

مری نوا میں نہیں طائر چمن کا نصیب

سنا ہے میں نے سخن رس ہے ترک عثمانی

سنائے کون اسے اقبالؔ کا یہ شعر غریب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا

ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

# اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد

نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

یہ مشت خاک یہ صرصر یہ وسعت افلاک

کرم ہے یا کہ ستم تیری لذت ایجاد

ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمۂ گل

یہی ہے فصل بہاری یہی ہے باد مراد

قصوروار غریب الدیار ہوں لیکن

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے

وہ دشت سادہ وہ تیرا جہان بے بنیاد

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں

وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں

انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

# کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد

مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

یہ مدرسہ یہ جواں یہ سرور و رعنائی

انہیں کے دم سے ہے مے خانۂ فرنگ آباد

نہ فلسفی سے نہ ملا سے ہے غرض مجھ کو

یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد

فقیہہ شہر کی تحقیر کیا مجال مری

مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرت پرویز

خدا کی دین ہے سرمایۂ غم فرہاد

کئے ہیں فاش رموز قلندری میں نے

کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم

عصا نہ ہو تو کلیمیؑ ہے کار بے بنیاد

# یا رب یہ جہان گزراں خوب ہے لیکن (ردیف .. د)

یا رب یہ جہان گزراں خوب ہے لیکن

کیوں خوار ہیں مردان صفا کیش و ہنر مند

گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ

دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو خداوند

تو برگ گیا ہے نہ وہی اہل خرد را

او کشت گل و لالہ بہ بخشد بہ خرے چند

حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مئے گلگوں

مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر

تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا

افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

مدت سے ہے آوارۂ افلاک مرا فکر

کر دے اسے اب چاند کے غاروں میں نظر بند

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی

خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

درویش خدا مست نہ شرقی ہے، نہ غربی

گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مشکل ہے اک بندۂ حق بین و حق اندیش

خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند

ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش

میں بندۂ مومن ہوں نہیں دانۂ اسپند

پرسوز نظر باز و نکوبین و کم آرزو

آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند

ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم

کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکرخند

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبالؔ

کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

# ضمیر لالہ مۂ لعل سے ہوا لبریز

ضمیر لالہ مۂ لعل سے ہوا لبریز

اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی

کیا ہے اس نے فقیروں کو وارث پرویز

پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ

جہاں وہ چاہیئے مجھ کو کہ ہو ابھی نوخیز

کسے خبر ہے کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا

تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز

نہ چھین لذت آہ سحرگہی مجھ سے

نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز

دل غمیں کے موافق نہیں ہے موسم گل

صدائے مرغ چمن ہے بہت نشاط انگیز

حدیث بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

# نہ ہو طغیان مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی

نہ ہو طغیان مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی

کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیان مشتاقی

مجھے فطرت نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے

ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی

وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے

طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوہ ساقی

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے

کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے

نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی

خزاں میں بھی کب آ سکتا تھا میں صیاد کی زد میں

مری غماز تھی شاخ نشیمن کی کم اوراقی

الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں

حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی ہے خلاقی

# یہ پیران کلیسا و حرم اے وائے مجبوری

یہ پیران کلیسا و حرم اے وائے مجبوری

صلہ ان کی کد و کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے

وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

کبھی حیرت کبھی مستی کبھی آہ سحرگاہی

بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا درد مہجوری

حد ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی

سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی

مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسباب مستوری

کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ

نہ تھے ترکان عثمانی سے کم ترکان تیموری

فقیران حرم کے ہاتھ اقبالؔ آ گیا کیونکر

میسر میر و سلطاں کو نہیں شاہین کافوری